نبی علیہ السلام میں تکوینی اختیار

مولانا اخلاق حسین قاسمی

مسلمانوں کی ایک جماعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عطائی تکوینی اختیار کا عقیدہ رکھتی ہے اور وہ تکوینی دائرہ کو تشریعی دائرہ پر قیاس کر کے اس طرح کا عقیدہ قائم کرتی ہے۔

قرآن کریم نے حضورؐ کے بارے میں یہ تو فرمایا ہے کہ آپ حکم الٰہی کے تحت دنیا کے لئے مطاع و مقتداء بنا کر بھیجے گئے ہیں:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء: ۶۴)

اور ہم نے رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔

لیکن کہیں اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا کہ خدا نے حضورؐ کو اپنی اجازت اور اپنے اختیار سے عالم کون و مکان کا مالک و مختار بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن حکیم خدا کا اصولی اور کلی قانون ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قانون الٰہی کی جزئیات اور عملی صورتیں واضح کرنے والے ہیں۔

یہ شرح و بیان بھی ہدایتِ الٰہی سے بے نیاز ہو کر صادر نہیں ہوتا تھا بلکہ ہدایتِ الٰہی کے تحت صادر ہوتا تھا۔

فرق یہ تھا کہ قرآن کے اصولی احکام وحی جلی کی صورت میں نازل ہوتے تھے اور ان اصولوں کی تشریح وحی خفی کے مطابق صادر ہوتی تھی۔

جزئیات کی تشریح و بیان میں حضورؐ کو شریعت ساز کہا جا سکتا ہے اور یہ تشریعی اختیار کی ایک صورت ہے' ــــ مجازی صورت

حقیقت میں شریعت ساز خدا ہی کی ذات قرار پاتی ہے۔

حقیقی شریعت سازی کے لحاظ سے قرآن کریم نے یہ واضح کر دیا:

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ـــــ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (النجم: ۴،

الحاقۃ: ۴۴ - ۴۶)

نبی علیہ السلام اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، وہ وحی الٰہی کے مطابق کہتے ہیں اور اگر وہ ہماری طرف کوئی بات غلط طور پر منسوب کر دیتے تو ہم انہیں سختی سے پکڑ لیتے اور ان کی شہ رگ کاٹ ڈال دیتے۔

تشریع کے دائرہ میں یہ پابند وحی اختیار بھی آپ کو اس لئے عطا کیا گیا تھا کہ آپ کا منصب شہادتِ حق (قولی اور عملی تشریح) تھا ـــــ تکوینی معاملات سے نبی و رسول کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے تکوینیات میں نبی و رسول کے لئے کسی نوع کے اختیار کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

قرآن کریم نے کہا:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ـــــ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا

حکم و اختیار صرف اللہ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے اختیار میں شریک نہیں کرتا

(الانعام ۵۷، الکہف ۲۶)

مشرکین عرب کے لبیک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب اپنے بتوں اور باطل معبودوں کے لئے عطائی ملک و اختیار کا عقیدہ رکھتے تھے ـــــ مستقل بالذات اختیار کا عقیدہ نہیں۔

لبیک لا شریک لک لبیک الا شریکاً ھو لک

تیرا کوئی شریک نہیں۔ سوائے اس شریک کے جسے تو نے خود شریک بنا لیا۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کا یہ عقیدہ اس وقت لوگوں کی نظروں میں ان کی کم علمی کی وجہ سے مشتبہ اور مشکوک ہو جاتا ہے جب وہ خدا کے خاص بندوں (حضرات انبیاء علیہم السلام) میں معجزانہ قوتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرات انبیاء و اولیاء سے غیر معمولی واقعات کا صادر ہونا ان لوگوں کو شبہ میں ڈال دیتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ خدا کے ان خاص بندوں کے اندر خدائی

© rasailojaraid.co

کی طاقت اور تکوینی اختیارات موجود ہیں ـــــ اور یہ تصور کھلا شرک اور کفر ہے ۔

اسلام اور ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سو برس پہلے اس گمراہی میں عیسائی قوم اس طرح گرفتار ہوئی کہ انجیل کے مصنفین نے حضرت عیسیٰ کے معجزات کو اس انداز سے بیان کیا جیسے حضرت عیسیٰ کے اندر مردوں کو زندہ کرنے اور بیماروں کو صحت مند کرنے کی ذاتی قوت و ذاتی تصرف موجود تھا ۔

موجودہ انجیلیں حضرت عیسیٰ کے دو سو برس بعد حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے شاگردوں نے ترتیب دیں ۔ ان شاگردوں نے اپنے استادوں (حواریین مسیحؑ) سے حضرت عیسیٰ کے حالات پر جو کچھ سنا اسے اپنے عقیدت مندانہ انداز میں نقل کر دیا اور عقیدت کے غلو و تشدد نے خدائی معجزہ دکھلانے والے پیغمبر کو معجزہ پیدا کرنے والے خدا کے روپ و رنگ میں پیش کر دیا ۔

ظاہر ہے کہ جس ہستی میں مردوں کو زندہ کرنے اور مٹی کے پرندوں کو اصلی پرندہ بنا کر اڑانے اور کل کا کھایا پیا بتانے کی قوت ہو اس کے لئے خدائی کا عقیدہ قائم کرنا عقل کے خلاف نہیں ۔ لیکن کسی معجزہ دکھانے والے نبی و رسول نے یہ کہہ کر معجزہ نہیں دکھایا کہ میرے اندر یہ حیرت انگیز تصرف و اختیار موجود ہے بلکہ ہر ہر قدم پر اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ معجزہ یا کرامت نمودار کرنے کی قوت خدائے واحد کے اندر ہے ۔

پیغمبروں کے ذریعہ خدائے قدیر غیر معمولی واقعات ظاہر کر کے ان کی صداقت پر دلیل دکھانا چاہتا ہے ۔

> خدا تعالیٰ نے اپنے آخری کلام مقدس (قرآن کریم) کی لفظی اور معنوی تنزیل و تحفظ کو اپنے ہاتھ میں رکھا اور تمام نبیوں کے معجزات کے وقوع کو واضح طور پر اپنی طرف منسوب کیا ۔

اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں تو اتنی احتیاط کی گئی کہ جب مخالفین کی طرف سے فرمائشی معجزات و نشانات کا مطالبہ کیا گیا تو آپؐ سے جواب دلوا دیا گیا کہ معجزہ اور نشان میرے ہاتھ میں نہیں، خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے، میں تو صرف حق کا داعی اور مبلغ ہوں ۔

.com

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

(بنی اسرائیل : ۹۰-۹۳)

اور منکرین نے کہا ہم اے نبی تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین میں ایک چشمہ جاری نہ کر دو یا تمہارے پاس ایک کھجوروں اور انگوروں کا باغ نہ ہو اور اس باغ میں تم پانی کی نہریں جاری نہ کر دو یا جیسا کہ تم کہتے ہو آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے لا کر کھڑا نہ کر دو یا تمہارے پاس سونے کا ایک محل نہ ہو یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور اس چڑھنے کا ہم یقین نہیں کریں گے جب تک تم آسمان سے ایک کتاب ساتھ نہ لاؤ جسے ہم پڑھ سکیں ـــــ رسول اکرمؐ نے اس کے جواب میں کہا خدا کی طرف سے کہا سبحان اللہ (بڑا تعجب ہے) میں کون ہوں صرف خدا کا ایک رسول جو انسان ہے ،

قرآن کریم نے حیرت انگیز اور دنیا کو عاجز کر دینے والے واقعات کو آیاتِ الٰہی ، یعنی نشانیوں سے تعبیر کیا ہے، جو رسولوں کی صداقت کے لئے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے حق میں اتمامِ حجت کے طور پر ظاہر کی جاتی ہیں ۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ

(الانعام : ۱۰۹)

کہدو ! نشانیاں اللہ کے قبضہ میں ہیں ۔

قرآن کریم نے سابق قوموں کی گمراہی کے تجربہ کی روشنی میں معجزات کے بارے میں جس قدر احتیاطی اسلوب و انداز اختیار کیا ، افسوس کہ آخری امت کے ایک طبقہ (مدعیانِ محبت) نے اس سے کوئی سبق نہ لیا اور اسی راہ سے گمراہی میں مبتلا ہو گیا ۔

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو عیسائی قوم کے حوالہ سے عقیدت و محبت کے غلو و مبالغہ سے دور رہنے کی سخت تاکید کی تھی اور فرمایا تھا :

لا تطرونی کما اطرت النصاری المسیح ابن مریم (حدیث)	مسلمانو! میری تعریف میں اس طرح مبالغہ آرائی نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں کی

لیکن اسی کے ساتھ آپ نے ایک پیشین گوئی بھی فرمائی تھی کہ :

لتركبن سنن من كان قبلكم (مشکوٰۃ ص ۴۶۵ بحوالہ ترمذی)	تم مسلمان ضرور (شرک کے کاموں میں) اگلوں کی پیروی کروگے

مشرکین عرب ایک درخت (ذات انواط) کی پرستش کرتے تھے اور اس پر تلواریں لٹکا کر اس کا طواف کرتے تھے۔ بعض مسلمانوں نے ایک سفر میں اس درخت کو دیکھ کر حضور سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی آپ ایسا ہی درخت مقرر کر دیں ـــــ اس پر حضور نے بطور پیشین گوئی یہ فرمایا :

چنانچہ یہ طبقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو آپ کی ذاتی قوت قرار دے کر آپ کو تکوینی اختیارات میں شریک ہونے کے عقیدہ کی تبلیغ کر رہا ہے ۔

پاکستان کے ایک اہل حدیث عالم نے " نبوت کی عجمی تعبیر " کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے، جس کا موضوع یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تکوینی اختیار کے تصور کی تخلیق میں دیوبندی اور بریلوی علماء دونوں شریک ہیں اور اس تصور کی اساس شیخ ابن عربی کے وحدۃ الوجودی عقیدہ پر قائم ہے۔ لیکن مصنف محقق نے اس کی نسبت پورے دیوبندی حلقہ کی طرف کر کے انصاف کا خون کیا ہے ۔

کیونکہ اس تصور کا ماخذ دیوبندی اکابر کی کتابوں میں صرف مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی مشہور کتاب " آب حیات " نظر آتی ہے ۔

اور بریلوی علماء کی کتابوں میں مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی کتاب " سلطنت المصطفٰی فی ملکوت کل الوریٰ " بنیادی کتاب ہے جس میں خان صاحب نے تمام کائنات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔

.com

دونوں کتابوں میں فرق صرف تعبیر و توجیہہ کا ہے، مولانا نانوتوی نے علمی اور منطقی استدلال سے کام لیا ہے اور خانصاحب کے ہاں عوامی اسلوب ہے۔

مثلاً آبِ حیات میں حضورؐ کے لیئے درجہ دوم کی ملکیت کا تصوّر ہے اور خانصاحب اسے عطائی ملکیت و اختیار کہتے ہیں۔

قرینِ قیاس ہے کہ مولانا بریلوی کے سامنے مولانا نانوتوی کی آبِ حیات رہی ہو کیونکہ خانصاحب کی عمر مولانا نانوتوی کی وفات کے وقت ۲۵ سال کی تھی۔

مولانا نانوتوی کی ولادت ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) اور وفات بعمر ۴۹ سال ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) اور مولانا بریلوی کی ولادت ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ء) اور وفات بعمر ۶۸ سال ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) ہے۔

خانصاحب نے سلطنت المصطفٰے کتاب ۱۲۹۷ھ میں لکھی، جب آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔

مولانا بریلوی کے عوامی اور عامیانہ اسلوب کی ایک مثال یہ دو شعر ہیں جو خانصاحب کے مجموعۂ کلام سے نقل کیئے جاتے ہیں۔

ان کی نبوّت، ان کی ابوّت ہے سب کو عام
امّ البشر عروس انہیں کے پسر کی ہے!
ظاہر میں میرے پھول باطن میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

(حدائقِ بخشش)

آبِ حیات کے استدلال کے لیئے مولانا نانوتویؒ نے حسب ذیل آیت کو اساس بنایا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب: ۶)

اس کا ترجمہ دیوبندی مسلک کے مشہور راہنما مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حسب ذیل کیا ہے:

"نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔"

اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

"نفسِ انسانی اگر بُرا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ مومن کا بدخواہ ہوگا اور اگر اچھا ہے تب بھی وہ زندگی کی بعض مصلحتوں سے بے خبر رہتا ہے اور نبیؐ کو خدا تعالےٰ نے انسانی فلاح و خیر کا ضروری علم عطا فرمایا ہے اس لئے نبیؐ ہر حال میں امت کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔"
(بیان القرآن جلد ۹ ص ۳۷)

مفسّرین میں ابن جریر طبری (وفات ۳۱۰ھ) امام فخرالدین رازی (وفات ۶۰۶ھ) علّامہ ابنِ کثیر (وفات ۷۷۴ھ) اور صاحب روح المعانی (وفات ۱۲۷۰ھ) اور حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی، سب نے آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے اور لفظ اولیٰ کو اسی مفہوم میں بیان کیا کہ حضورؐ اپنی امّت کے حق میں ان سے زیادہ مہربان ہیں آپؐ کی اطاعت اپنی خواہشِ نفس اور اپنے آباء و اجداد کی حکم برداری سے مقدّم ہے۔

قاضی صاحب نے متقدّمین مفسّرین کی عبارتوں کا ان الفاظ میں حاصل نکالا ہے:

اولیٰ فی نفوذ الحکم علیہم و وجوب طاعتہ علیہم فلا یجوز الطاعۃ الآباء والامہات بمعنی حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔
(مظہری جلد ۷ ص ۲۰۸)

بعض قرأتوں میں وھواَبٌ لھم (نبی ان کے باپ ہیں) بھی آیا ہے اس لئے امام مجاہد نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

کل نبی اب لامتہ ــــ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے کیونکہ وہ امّت کا مربّی اور مشفق معلم ہوتا ہے۔ حقیقی باپ جسمانی حیات کا کفیل ہوتا ہے اور نبی کی تربیت سے ابدی حیات حاصل ہوتی ہے۔

پس روحانی باپ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں، البتہ امّہات المؤمنین کا امّت کی ماں ہونا خصوصیات میں سے ہے، دوسرے انبیاء کی ازواجِ مطہرات کا یہ درجہ نہیں
(روح المعانی جلد ۷ ص ۱۰)

ابن جریر طبری نے ابن زید کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں نبی اور امّت کے باہمی تعلق کو آقا و غلام کے تعلق سے تشبیہہ دی ہے لیکن وہ آقائی اور غلامی احکامِ شریعت کے نفاذ و اجراء کے

.com

معنی میں ہے نہ کہ جسمانی آقائی اور غلامی کے مفہوم میں :

النبی اولی کما انت اولی بعبدک ما قضی فیھم من امر جاز کما کما

قضیت علی عبدک جاز ۔ (ابن جریر جلد ۲۱ ص ۷۰)

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تشریح میں آیت فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ (النساء ۶۵) نقل کی ہے ۔ اور یہ بتایا ہے کہ نبی کے حکم سے مراد تشریعی حکم ہے تکوینی حکم کا یہاں کوئی مفہوم موجود نہیں ہے ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرۃ کی یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے ۔

ما من مومن الا وانا اولی الناس	دنیا و آخرت میں ہر مومن کے ساتھ دوسرے
به فی الدنیا والآخرۃ اقرؤا	لوگوں کے مقابلہ میں میرا تعلق زیادہ ہے ۔
ان شئتم النبی اولی ....الخ	اگر کوئی مسلمان ترکہ چھوڑ کر مرے تو اس ترکہ

کے وارث اس کے حق دار ہوں گے اور اگر کوئی مسلمان قرض دار مرے یا بچے چھوڑ کر مرے تو ان کی کفالت میں کروں گا اور اس کا قرض میں ادا کروں گا ۔

ابن کثیر نے آیت مذکورہ کے چند پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے :

اس میں ایک بحث یہ ہے کہ کیا حضورؐ کو مسلمان مردوں اور عورتوں کا باپ کہنا صحیح ہے ؟ حضرت عائشہؓ اسے درست نہیں سمجھتی تھیں اور امام شافعی کا صحیح قول بھی یہی ہے :

ایک حدیث میں آپ نے اپنے لئے والد کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن وہ معلم اور مربی کے مفہوم میں ہے ـــ فرمایا :

انما انا لکم بمنزلۃ الوالد	میں تمہارے لئے باپ کی مانند ہوں
اعلمکم ...... الخ	تمہیں پیشاب پائخانہ کرنے کا طریقہ بھی

سکھاتا ہوں ـــ جس طرح ماں باپ بچوں کو سکھاتے ہیں ۔

حقیقی باپ کے لفظ کی نفی قرآن کریم نے خود کی ہے ، فرمایا :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں
رِّجَالِكُمْ (ابن کثیر جلد ۳ صـ ۴۶۹)	سے کسی کے باپ نہیں ہیں ۔

© rasailojaraid.co

اردو فارسی کے تمام مترجمین نے اولیٰ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، شاہ ولی اللہ ـ سرور، شاہ عبدالقادر ـ لگاؤ، شاہ رفیع الدین ـ شفقت، مولانا مودودی ـ مقدم، ڈپٹی نذیر احمد زیادہ حق رکھتے ہیں۔

اولیٰ، ولایت کے ایک معنی حکومت و تسلط کے بھی ہیں، جس طرح قرب اور دوستی کے ہیں، لیکن کسی مترجم و مفسر نے اس آیت میں اولیٰ کو حاکمیت و حکومت کے مفہوم میں نہیں لیا۔

مولانا نانوتوی نے آبِ حیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت درجہ دوم اور ذاتی حیات کے فلسفہ کی بنیاد اولیٰ کے اسی لغوی مفہوم پر رکھی ہے اور پھر مولانا احمد رضا خانصاحب نے آبِ حیات کی تاویل کی روشنی میں اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

"یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔" (کنز الایمان صفحہ ۷۹۴)

تصرف کا لفظ شاہ ولی اللہؒ نے تشریحی طور پر اس طرح بڑھایا ہے،

"پیغمبر سزاوار تر است بتصرف در امور مسلمین از ذاتہائے ایشاں" ـــــ یعنی حضورؐ مسلمانوں کے معاملات میں تصرف کرنے کا حق خود ان سے زیادہ رکھتے ہیں

پھر اس مفہوم کو ان کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ اس طرح واضح کرتے ہیں:

"نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔"

اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دے تو فرض ہو جائے۔"

تصرف سے مراد ان حضرات کی تشریعی تصرف ہے، جو بطور نائب خدا کے خدا کے حکم و ہدایت کے مطابق امت کے دینی معاملات میں جاری ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث کے واضح نصوص اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت خداوندی سے بے نیاز ہو کر تشریعی امور میں دخل دینے کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔

محدثین و فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ جو ہدایات رسول پاکؐ نے ایسی جاری فرمائیں جن کا ثبوت و ماخذ کتاب اللہ میں واضح نہیں وہ ہدایات وحی خفی سے تعلق رکھتی ہیں انہیں

.com

حضورؐ کی ذاتی ہدایات اور ذاتی احکام قرار نہیں دیا جا سکتا، اسی لئے حقیقی مفہوم میں شریعت ساز صرف خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے کتاب و سنت کے باہمی تعلق پر حجۃ اللہ البالغہ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ حاصل یہ کہ حضورؐ کا تشریعی تصرف بھی نائب خدا کے طور پر ہے، جو رسالت کا حقیقی مفہوم ہے۔ اس میں تکوینی تصرف کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص کلامی اجتہاد کی تشریح کے بعد اس حقیقت کو صاف طور پر بیان کر دیا ہے کہ یہ تصورات جس دلیل پر مبنی ہیں وہ ایک باریک و لطیف شے ہے۔ اس لئے عام ذہن کی گرفت میں نہیں آ سکتی، لکھتے ہیں:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل ایمان کے اموال و نفوس میں تصرف کا حق معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ واسطہ اور وسیلہ کا تعلق ایک لطیف اور مخفی شے ہے جو اہل بصیرت کے سوا کسی پر واضح نہیں بلکہ قرآن و احادیث کے اشارات سے بھی بدشواری سمجھ میں آتا ہے۔ اس لئے خدا تعالے نے قانون شریعت کے عام قاعدہ کے مطابق آپ کے لئے نکاح و مہر اور عدل و مساوات کا فریضہ عائد کیا ہے۔"

اگر ملکیت کے اس حق کا لحاظ کیا جاتا تو عام خواتین آپؐ کے لئے مثل باندیوں کے حلال ہوتیں لیکن اس سے کم فہم لوگوں کو شہوت پرستی کی تہمت لگانے کا موقعہ مل جاتا۔"

(آب حیات صـ ۲۰۷)

یہی وجہ ہے کہ علمائے دیوبند نے مولانا نانوتوی کے ان اجتہادی اور استنباطی تصورات کو عوام میں شہرت دینے سے گریز کیا اور عوام میں انہی عقائد کی تبلیغ و تشہیر کی جو عقیدہ توحید کے مطابق تھے۔

آبِ حیات کے تصوّرات

ذیل میں آب حیات کے تصوّرات کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے، یہ حضرت نانوتوی کے تفردات ہیں، جنہیں جماعت دیوبند کی طرف سے تسلیم کرنے کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے۔

مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند (نبیرہ مولانا محمد قاسم صاحب) کی بعض

© rasailojaraid.com

تحریر میں جب ان تصورات کی جھلک نظر آتی ہے تو ان کی حیثیت کبھی مولانا کے ذاتی تصورات کی ہے۔

مولانا نانوتوی نے آب حیات میں حضورؐ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے :

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم و ازواجہ امھاتھم (الاحزاب) حضورؐ امت کے روحانی باپ ہیں۔ روحانی باپ کا درجہ جسمانی باپ سے زیادہ ہے، اہل ایمان کی ارواح حضورؐ کی روح پاک سے تخلیق کی گئی ہیں۔

حضورؐ کی حیات ذاتی ہے۔ دوسرے مومنین کی حیات عرضی ہے۔ آپؐ کی حیات قابلِ زوال نہیں۔ البتہ موت کے وقت یہ حیات مستور پردہ میں ہوگئی اور اہل ایمان کی حیات زائل ہوجاتی ہے۔

جیسے سورج گہن میں سورج کی روشنی حجاب (پردہ) میں ہوجاتی ہے، زائل نہیں ہوتی۔ بخلاف چاند گہن کے، اس کی روشنی زائل ہوجاتی ہے۔ ـــــ حضورؐ کی موت کی مثال جیسے چراغ پر سرپوش ڈھانپ دیا جائے اور مومنین کی مثال جیسے چراغ کو بجھا دیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے درمیان اتحاد واشتراک اور مثلیت کا تصور غلط ہے۔ اگرچہ شکل وصورت واحکام جسمانی مثلاً کھانے پینے وغیرہ میں مماثل کہا جائے ـــــ قُل انما انا بشر مثلکم ـــــ جس طرح آفتاب اور اس کی شعاعوں میں مثلیت ذاتی نہیں بلکہ آسمان وزمین کا فرق ہے۔ لاکھوں عکس بھی مثل آفتاب نہیں ہوسکتے، اگرچہ صورت اور رنگ میں نور آفتاب اور اصلی آفتاب میں مشابہت ہے لیکن برابری کا خیال باطل ہے۔

ازواج مطہرات آپؐ کی باندیاں تھیں، ان پر حضورؐ کا حق ما ملکت ایمانکم سے زیادہ تھا۔ مالک کی ملک عارضی ہوتی ہے، آزاد کرنے یا فروخت کرنے سے زائل ہوجاتی ہے مگر امتیوں پر آپؐ کا جو حق ہے وہ کبھی زائل نہیں ہوتا کیونکہ ارواحِ مؤمنین حضورؐ کی روح سے پیدا کی گئی ہیں۔

حقیقی مالک تو خدا ہے لیکن دوسرے درجہ میں رسول پاکؐ کی ملکیت کو سمجھیے کیونکہ حضورؐ تمام عالم کے لئے وسیلہ اور واسطہ فی العطا ہیں جیسے ہاتھ اور قلم، اصل میں حرکت ہاتھ

کو لاحق ہوتی ہے، قلم کی حرکت ہاتھ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پس ہر کمال میں حضور واسطہ ہیں۔ خاص کر ارواحِ مومنین کے لئے۔

آخرت میں آپ کو مقامِ وسیلہ کا دیا جانا اسی طرف اشارہ ہے۔ والعاقل یکفیہ الاشارہ ۔۔۔ عجب نہیں کہ یہ روایت صحیح ہو۔

لولاك لما خلقتُ الافلاك ۔۔۔ اگر اے نبی! تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا، مضمون تو اس کا صحیح ہے۔ اس لئے مومنین کی ارواح کی قدر و قیمت اور فضیلت ایک حیثیت سے عرشِ اعظم سے بھی زیادہ ہے۔ (آبِ حیات ۲۲۴)

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے نزدیک حضور علیہ السلام کی حیات " حیاتِ برزخی " ہے جو حیاتِ جسمانی سے زیادہ قوی التاثیر ہے۔ لیکن حضرت نانوتوی کے فلسفہ کے مطابق وہ حیات حقیقی ہے یعنی جسم روحانی تعلق کے ساتھ حیات ہے۔

دیوبند کے مشہور محدث مولانا انور شاہ صاحب کے نزدیک حیات النبی کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی روحانی توجہات امت کی طرف مبذول ہیں، اسی کا اثر ہے کہ یہ امت بحیثیت مجموعی ہدایت پر قائم ہے۔

ماہر القادری نے اسی مفہوم کو اس شعر میں بیان کیا ہے۔

کبھی کا کاروانِ کیف و مستی لٹ چکا ہوتا ۔۔۔ یہاں سب سو رہے ہیں ایک تو بیدار ہے ساقی

شہدا فی سبیل اللہ کی حیات کے بارے میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ حیات بھی حیاتی اثرات و اعمال کے مفہوم میں ہے، جس کی طرف قرآن کریم نے ۔۔۔ یُرزَقُون ۔۔۔ (وہ رزق دیئے جاتے ہیں) سے اشارہ کیا ہے۔

اوپر علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ حرمتِ نکاح کا تعلق، مقامِ نبوت کی عظمت و حرمت سے ہے، جو جمہور کا مسلک ہے اور آبِ حیات کے فلسفہ کے مطابق اس حرمت کا تعلق حضورؐ کی حیاتِ حقیقی سے ہے۔

ہمارے اکابرِ دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ آپ پر محبت نبوئی کا غلبہ تھا، اسی محبت کا اثر تھا کہ آپ تواضع و مسکنت کا پیکر نظر آتے تھے، آپ کے شیخ حضرت امداد اللہ صاحب مہاجر مکی آپ کو نصیحت کرتے تھے کہ مولانا

© rasailojaraid.co

قاسم صاحب! علم کے وقار کا خیال رکھو ـــــ یعنی اتنی تواضع اختیار نہ کرو کہ علم کی توہین ہونے لگے۔ مولانا نانوتوی کا لباس، ایک کھدر کا موٹا تہبند، ایک کھادی کی نیم آستین ـــــ نہ چغا، نہ عبا، اور عصا رکے تکلفات ـــــ

آپ کے مقابلہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (جو آپ کے ساتھی اور پیر بھائی بھی تھے) کی شان دوسری تھی، آپ پر اتباعِ سنّت کا رنگ غالب تھا، آپ قرآن و حدیث کے واضح نصوص کی پیروی کو ضروری سمجھتے تھے، جس میں محدّثانہ اور فقیہانہ احتیاط ہے اور عام مسلمانوں کے لئے یہی راہ نجات کی راہ ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے ہفت مسئلہ سے آپ نے اتفاق نہیں کیا اور جب حاجی صاحب سے کہا گیا کہ مولانا گنگوہی کو ہفت مسئلہ سے اتفاق نہیں ہے تو آپ نے فرمایا "وہ بڑے عالم ہیں"۔

مولانا نانوتوی نے آپ حیات میں آپ کے لئے رونقِ طریقت اور زیبِ شریعت کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جماعت دیوبند کا مسلک جن اکابر کے افکار پر قائم ہے۔ مولانا گنگوہی ان میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ مولانا محمد قاسم صاحب عاشقِ رسول کے طور پر مشہور ہیں،

جماعت دیوبند کے عظیم فقیہ مولانا مفتی کفایت اللہؒ صاحب سے کسی نے ایک سوال میں مختلف مصالح کے تحت بدعی اذکار و اعمال کی ترویج پر فتویٰ طلب کیا، مفتی صاحب نے احتیاط کی بنا پر تفصیل میں جانے کے بجائے اختصار کے طور پر یہ لکھا:

"آہ! یہ سوال بہت پیچیدہ اور تفصیل طلب ہے، میں سر دست اس کے جواب میں صرف ایک شعر پر اکتفاء کرتا ہوں اور وہ یہ ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیرا ـــــ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

(کفایت المفتی جلد ا ص ۱۴۹)

جماعت دیوبند میں حضرت مفتی اعظم محمد کفایت اللہؒ علم حدیث و فقہ اور عملی تقویٰ اور احتیاط اور دانش مندی میں اپنی مثال آپ سمجھے جاتے تھے۔

.com